ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2959

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: مختصر تفسیر کا تعارف (2959) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: احکام القرآن طحاوی کی روشنی میں وضوء کے مسائل واحکام (20 نمبر)

سوال نمبر 1: احکام القرآن طحاویؒ کی روشنی میں وضوء کے مسائل واحکام پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

فقہی تفاسیر سے مراد قرآن مجید کی وہ تفسیریں ہیں جن میں آیاتِ احکام کی تشریح فقہی نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے، یعنی مفسر آیت سے عملی شرعی حکم اخذ کرتا ہے، فقہاء کے اقوال و دلائل ذکر کرتا ہے اور اپنے مسلک کے اصولوں کی روشنی میں ترجیح قائم کرتا ہے۔ اس صنف کی قدیم و معتبر کتب میں امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ کی احکام القرآن کو خاص مقام حاصل ہے۔ امام طحاوی (وفات 321 ہجری) حنفی فقہ کے جلیل القدر امام، محدث اور صاحبِ تصانیف بزرگ ہیں؛ ان کی یہ کتاب سورتوں کی ترتیب سے آیاتِ احکام کی فقہی تفسیر پیش کرتی ہے۔ اس سوال میں وضوء کے مسائل کا مطالعہ اسی کتاب کی روشنی میں کیا جائے گا۔ وضوء نماز کی کنجی اور طہارت کا بنیادی ذریعہ ہے اور اس کے احکام سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 6 میں اجمال کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، مگر ان کی تفصیلات، شرائط اور اختلافی پہلو فقہی تفسیر ہی میں کھلتے ہیں۔ ذیل میں پہلے کتاب و مصنف کا مختصر تعارف، پھر قرآنی بنیاد، اس کے بعد وضوء کے فرائض و سنن، مسح کے مسائل، نواقض وضوء اور اس سلسلے کے اہم اختلافی مباحث طحاوی کے اسلوب کی روشنی میں پیش کیے جائیں گے۔ یہ بحث خالص علمی و تعلیمی ہے؛ کسی معین فرد کے عمل پر فتویٰ لگانا اس کا مقصد نہیں، عملی رہنمائی کے لیے مستند علماء سے رجوع ہی اصل راستہ ہے۔

امام طحاوی اور ان کی احکام القرآن: مختصر تعارف

امام طحاوی کا پورا نام احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاوی ہے، کنیت ابو جعفر ہے اور وہ مصر کے علاقے طحا سے نسبت کی وجہ سے طحاوی کہلائے۔ ان کی پیدائش 239 ہجری میں اور وفات 321 ہجری میں ہوئی۔ وہ پہلے شافعی مسلک سے وابستہ تھے، پھر حنفی فقہ کی طرف آئے اور اس میں اتنی مہارت حاصل کی کہ حنفی فقہ کی تدوین و توثیق میں ان کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ ان کی مشہور تصانیف میں شرح معانی الآثار، شرح مشکل الآثار، مختصر الطحاوی اور العقیدۃ الطحاویہ شامل ہیں۔ احکام القرآن میں ان کا اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے آیت ذکر کرتے ہیں، پھر اس سے متعلق احادیث و آثار لاتے ہیں، صحابہ و تابعین اور فقہاء کے اقوال نقل کرتے ہیں، بظاہر متعارض روایات میں تطبیق کی کوشش کرتے ہیں اور آخر میں دلیل کی بنیاد پر راجح قول اختیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں حدیث و فقہ کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے اور وضوء جیسے عملی موضوع پر ان کی بحث محض

نظری نہیں رہتی بلکہ روایات کی جانچ پرکھ پر کھڑی ہوتی ہے۔ طالب علم کے لیے یہ نکتہ اہم ہے کہ طحاوی وضوء کے ہر مسئلے میں قرآن کی آیت کو اصل بناتے ہیں اور سنت کو اس کی تفسیر و تکمیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

وضوء کی قرآنی بنیاد: سورۂ مائدہ کی آیت

وضوء کا بنیادی حکم سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 6 میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولو، اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا قضائے حاجت سے آئے ہو یا عورتوں سے مباشرت کی ہو اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ طحاوی اس آیت کی تفسیر میں سب سے پہلے یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ خطاب نماز کے لیے کھڑے ہونے سے مشروط ہے، یعنی وضوء نماز کی شرط ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں بھی صراحت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ آیت میں چار اعمال کا ذکر ہے: چہرہ دھونا، ہاتھ کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح اور پاؤں ٹخنوں تک دھونا۔ انہی چار کو فقہاء نے وضوء کے فرائض قرار دیا ہے۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ آیت کے آخر میں تیمم کا ذکر وضوء ہی کے باب کا حصہ ہے، کیونکہ پانی کے فقدان یا استعمال کی دشواری کی صورت میں یہی تیمم وضوء اور غسل دونوں کا بدل بن جاتا ہے۔ اس طرح طحاوی کے ہاں وضوء کی بحث آیتِ مائدہ کے گرد گھومتی ہے اور باقی تمام جزئیات اسی بنیاد کی فرع سمجھی جاتی ہیں۔

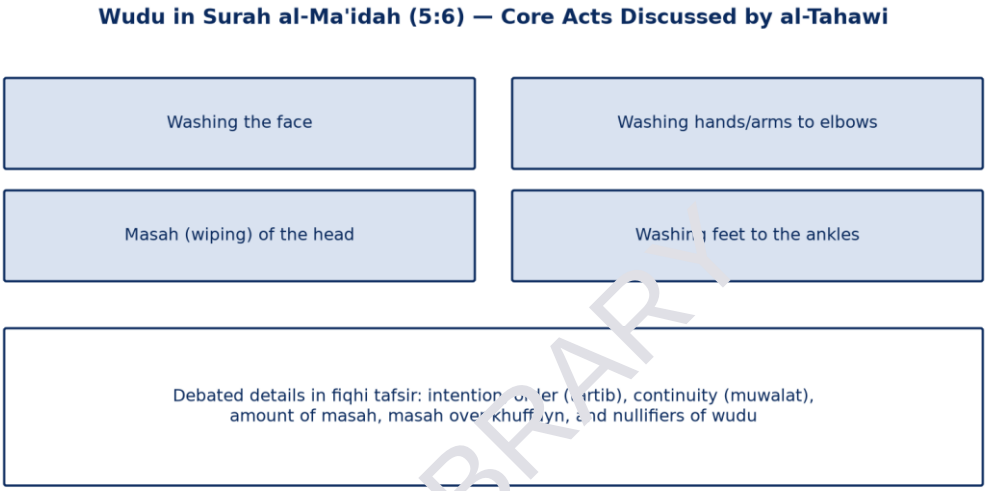

تصویر 1: آیتِ وضوء (المائدہ 5:6) کے چار بنیادی اعمال جن کی فقہی تفسیر میں طحاوی نے بیان کی ہے۔

وضو کے فرائض اور ان کی تفصیلی بحث

طحاوی کی روشنی میں وضوء کے فرائض چار ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔ پہلا فرض چہرہ دھونا ہے؛ چہرے کی حد طول میں پیشانی کے بالوں کی جڑ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک ہے، اور اس تمام حصے پر ایک مرتبہ پانی بہانا فرض ہے۔ دوسرا فرض دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا ہے؛ آیت میں الی المرافق کے لفظ پر طحاوی غور کرتے ہیں کہ کہنی دھونے میں داخل ہے، کیونکہ غایت کو مغیا میں داخل کرنے کی یہاں قرائن موجود ہیں اور سنتِ عملی سے بھی یہی ثابت ہے۔ تیسرا فرض سر کا مسح ہے؛ اس کی مقدار میں فقہاء کا مشہور اختلاف ہے کہ پورے سر کا مسح ہو یا چوتھائی سر کا یا چند بالوں کا؟ طحاوی احادیث و آثار کی روشنی میں اس بحث کو تفصیل سے لاتے ہیں اور حنفی موقف کی تائید میں ناصیہ یعنی پیشانی کے اوپر والے حصے کے مسح والی روایات پیش کرتے ہیں، جبکہ دیگر ائمہ کے دلائل بھی نقل کرتے ہیں۔ چوتھا فرض دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا ہے؛ اس مقام پر آیت کی قراءت اور ارجلکم کے نصب و جر کی بحث آتی ہے جس سے فقہاء نے پاؤں دھونے یا موزوں پر مسح کے مسائل اخذ کیے۔ طحاوی واضح کرتے ہیں کہ ننگے پاؤں کی صورت میں دھونا ہی متعین ہے کیونکہ سنتِ متواترہ اور عملِ امت اسی پر ہے۔ یہ تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ ایک مختصر آیت سے فقہی تفسیر کس طرح جزئی احکام کا پورا نظام کشید کرتی ہے۔

جدول 1: وضوء کے بنیادی احکام — طحاوی کی بحث کا خلاصہ

اہم فقہی نکتہ	حکم	جزو
حد: بالوں کی جڑ سے ٹھوڑی تک، کان سے کان تک	ایک مرتبہ دھونا فرض	چہرہ
کہنی دھونے میں داخل ہے	کہنیوں سمیت دھونا فرض	ہاتھ
مسح کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف؛ طحاوی نے روایات سے بحث کی	مسح فرض	سر
ننگے پاؤں میں دھونا؛ موزوں کی صورت میں مسح کی بحث	ٹخنوں سمیت دھونا فرض	پاؤں
مائدہ 6 ہی میں مذکور؛ وضوء و غسل دونوں کا قائم مقام	پانی نہ ملنے پر بدل	تیمم

نیت، ترتیب، موالات اور وضوء کی سنتیں

آیتِ وضوء میں مذکور چار فرائض کے علاوہ بعض امور کا حکم بھی طحاوی کے ہاں زیرِ بحث آتا ہے۔ نیت کے بارے میں اختلاف مشہور ہے: بعض فقہاء کے نزدیک وضوء کے لیے نیت فرض ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت نیت کے بغیر متعین نہیں ہوتی، جبکہ حنفی فقہاء کے ہاں نیت سنت ہے فرض نہیں، کیونکہ آیت نے دھونے کا حکم دیا ہے اور پانی اپنی فطرت پر پاک کرنے والا ہے، تاہم ثواب اور عبادت کی تکمیل کے لیے نیت کی اہمیت مسلم ہے۔ ترتیب کے مسئلے میں بھی یہی نوعیت ہے: آیت میں اعمال جس ترتیب سے آئے ہیں اسی ترتیب کی پابندی کو بعض ائمہ نے واجب کہا اور بعض نے سنت قرار دیا۔ موالات یعنی اعضاء کو خشک ہونے سے پہلے مسلسل دھونے کا حکم بھی اسی قبیل سے ہے۔ طحاوی ان مسائل میں ہر فریق کی روایات نقل کرتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ اختلاف کا اصل سبب آیت کے الفاظ کی دلالت اور سنت کے عملی بیان میں پایا جانے والا فرق ہے۔

سننِ وضوء میں بسم اللہ پڑھنا، ہاتھوں کو پہلے دھونا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا، پورے سر کا مسح کرنا، کانوں کا مسح اور داڑھی کا خلال کرنا شامل ہیں؛ طحاوی ان سب کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کامل وضوء وہی ہے جس میں فرائض کے ساتھ سنتوں کی بھی رعایت ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا۔

مسح علی الخفین اور جورابوں کے مسائل

وضوء کے باب کا ایک اہم مسئلہ موزوں پر مسح ہے جس کی بنیاد بھی اسی آیت کی قراءتوں اور سنت کی روایات پر ہے۔ طحاوی بیان کرتے ہیں کہ جو شخص وضوء کی حالت میں موزے پہنے، اس کے لیے مقیم ہونے کی صورت میں ایک دن رات اور مسافر ہونے کی صورت میں تین دن رات ننگے پاؤں دھونے کے بجائے موزوں کے اوپر والے حصے پر مسح کرنا جائز ہے۔ اس مسئلے میں وہ ان روایات کو کثرت سے جمع کرتے ہیں جو صحابہ کی بڑی جماعت سے مروی ہیں اور انہی کی بنیاد پر اسے عملی طور پر متواتر کے درجے کے قریب قرار دیتے ہیں۔ اسی بحث میں یہ سوالات بھی آتے ہیں کہ موزہ پھٹا ہوا ہو تو مسح کا کیا حکم ہے، جرابیں موٹی ہوں یا باریک، ان پر مسح جائز ہے یا نہیں، اور مسح کی مدت کب سے شمار ہو گی: پہننے کے وقت سے یا وضوء ٹوٹنے کے بعد سے؟ طحاوی ہر جزئیے میں آثارِ صحابہ کو سامنے رکھتے ہیں اور قیاسی پہلو بھی واضح کرتے ہیں کہ مسح کی اجازت دراصل رفعِ حرج کے اصول پر مبنی ہے، کیونکہ سردی اور سفر میں بار بار موزے اتارنا دشوار ہوتا ہے اور شریعت نے آسانی کو پسند کیا ہے۔ اس بحث سے طالب علم کو اندازہ ہوتا ہے کہ فقہی تفسیر میں ایک ہی آیت کے گرد قراءت، حدیث، آثار اور اصولِ آسانی سب یکجا ہو جاتے ہیں۔

نواقضِ وضوء: وضوء توڑنے والی چیزیں

طحاوی کی بحث کا آخری بڑا حصہ نواقضِ وضوء ہیں، یعنی وہ امور جن کے پیش آنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور نماز کے لیے نیا وضوء لازم آتا ہے۔ آیتِ مائدہ میں قضائے حاجت سے آنے کا ذکر خود موجود ہے، اسی سے فقہاء نے سب سے پہلا ناقض یعنی پیشاب و پاخانہ کی راہ سے کسی چیز کا نکلنا اخذ کیا۔ اس کے ساتھ خون و پیپ کا بہنا، منہ بھر قے آنا، نیند جو استرخاء کے ساتھ ہو، بے ہوشی اور جنون جیسے امور پر بھی بحث آتی ہے۔ ان مسائل میں فقہاء کے درمیان مشہور اختلافات ہیں، مثلاً خون نکلنے سے وضوء ٹوٹتا ہے یا نہیں، قہقہے

سے نماز کے اندر وضوء پر کیا اثر پڑتا ہے، اور عورت کو چھونے کا حکم کیا ہے؟ طحاوی ان مسائل میں آیت کے لفظ لمستم النساء کی تفسیر سے لے کر احادیث و آثار تک پورا مواد جمع کرتے ہیں اور اپنے مسلک کی ترجیح دلائل سے قائم کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی مخالف اقوال بھی امانت داری سے نقل کرتے ہیں۔ اس حصے کا عظیم فائدہ یہ ہے کہ طالب علم سمجھ لیتا ہے کہ نواقض کے اختلافات دراصل نصوص کے فہم کے اختلافات ہیں، اس لیے ان میں تنگ نظری کے بجائے علمی وسعت سے کام لینا چاہیے اور عام آدمی کو اپنے اعتماد کے علماء کی رہنمائی پر عمل کرنا چاہیے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام طحاوی نے احکام القرآن میں وضوء کے مسئلے کو سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 6 کی بنیاد پر نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے: چار فرائض کی تحدید، کہنی و ٹخنے کی شمولیت، مسح کی مقدار کی بحث، نیت و ترتیب و موالات کا درجہ، سننِ وضوء کی تفصیل، موزوں پر مسح کی اجازت و شرائط اور نواقضِ وضوء کے اختلافی مسائل — یہ سب ان کی بحث کے نمایاں عنوانات ہیں۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ہر مسئلے میں کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ کو یکجا پیش کرتے ہیں اور دلیل کی بنیاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس مطالعے سے یہ اصول بھی حاصل ہوتا ہے کہ فقہی اختلاف اکثر اجتہادی ہوتا ہے اور اس کی بنیاد نصوص کی دلالت میں پائی جانے والی وسعت ہے۔ طلبہ کے لیے اس نوٹ کا عملی پیغام یہ ہے کہ وضوء کو سنت کے مطابق، مکمل اور اطمینان سے کرنا نماز کی قبولیت کی بنیاد ہے، اور اختلافی جزئیات میں اہلِ علم کی رہنمائی اختیار کرنی چاہیے۔

سوال نمبر 2: امام ابو بکر جصاص کے حالاتِ زندگی (20 نمبر)

سوال نمبر 2: امام ابو بکر جصاصؒ کے حالات زندگی تحریر کریں۔ (20)

تعارف

فقہی تفاسیر کے مصنفین میں امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کی کتاب احکام القرآن حنفی فقہ کی سب سے قدیم محفوظ و مکمل فقہی تفسیر شمار ہوتی ہے اور اصولِ فقہ میں ان کی کتاب الفصول فی الاصول بھی بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس شخصیت نے تفسیر، فقہ اور اصولِ فقہ تینوں میدانوں میں ایسی گراں قدر خدمات انجام دی ہوں اس کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ محض سوانحی معلومات نہیں، بلکہ اس کے علمی منہج کو سمجھنے کی کنجی بھی ہے۔ اس جواب میں امام جصاص کے نام و نسب، ولادت و نشو و نما، حصولِ علم کے اسفار، اساتذہ و تلامذہ، علمی مقام و اخلاق، تصانیف اور وفات کا منظم جائزہ پیش کیا جائے گا۔ سوانحی تفصیلات میں اسی مواد پر اکتفا کیا گیا ہے جو تذکرہ نگاروں اور طبقات کی کتب میں عام طور پر مذکور ہے؛ جہاں روایات میں معمولی فرق پایا جاتا ہے وہاں محتاط انداز اختیار کیا گیا ہے اور غیر مستند باتوں سے اجتناب کیا گیا ہے۔

نام، نسب، کنیت اور ولادت

امام جصاص کا مکمل نام احمد بن علی بن ابی بکر رازی ہے، کنیت ابو بکر ہے اور شہرت جصاص کی نسبت سے ہے۔ جصاص گچ یعنی چونا بنانے یا اس سے وابستہ پیشے کی نسبت بتائی جاتی ہے جو ان کے خاندان یا ابتدائی زندگی سے جڑی ہوئی ہے۔ رازی کی نسبت شہر رے کی طرف ہے جو اس زمانے میں علم و فضل کا معروف مرکز تھا۔ ان کی پیدائش 305 ہجری میں ہوئی۔ اس عہد کی علمی فضا یہ تھی کہ بغداد خلافت عباسیہ کا دارالحکومت ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث و تفسیر کا عالمی مرکز بن چکا تھا اور حنفی فقہ سرکاری و عوامی دونوں سطحوں پر نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ امام جصاص کی ابتدائی تعلیم رے ہی میں ہوئی جہاں انہوں نے قرآن، صرف و نحو، لغت اور ابتدائی فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ کم سنی ہی میں ان کے ذوقِ علم کا حال یہ تھا کہ وہ فقہی مسائل کی گہرائی میں جانے اور اختلاف کی وجوہ تلاش کرنے کے شوقین تھے؛ یہی رجحان آگے چل کر ان کی اصولِ فقہ سے غیر معمولی دلچسپی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بیس برس کی عمر کے لگ بھگ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے بغداد روانہ ہوئے جو ان کی زندگی کا فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔

بغداد کا قیام، اساتذہ اور حصولِ علم

بغداد پہنچ کر امام جصاص اس دور کے بڑے علماء کے حلقوں میں شامل ہوئے۔ ان کے سب سے نمایاں استاد امام ابو الحسن کرخی رحمہ اللہ ہیں جو حنفی فقہ و اصول کے امام سمجھے جاتے تھے؛ امام جصاص نے ان سے فقہ و اصول کی گہری تعلیم حاصل کی اور ان کے بعد حنفی حلقے کی علمی قیادت بڑی حد تک انہی کے سپرد ہوئی۔ کرخی کے علاوہ انہوں نے حدیث، تفسیر اور ادب کے دیگر شیوخ سے بھی استفادہ کیا جن میں کئی معروف محدثین و فقہاء شامل تھے۔ ان کے مطالعے کا انداز محض سماع و روایت تک محدود نہ تھا بلکہ وہ مسائل کی تحقیق، دلائل کا موازنہ اور مخالف مسالک کے اصولوں کا مطالعہ بھی کرتے تھے، اسی لیے ان کی تصانیف میں معتزلی و شافعی اصولیوں کی آراء سے بھی بھرپور واقفیت جھلکتی ہے۔ انہوں نے ایک زمانے میں نیشاپور کا سفر بھی کیا اور وہاں کے علماء سے ملاقات و استفادہ کیا۔ بغداد میں تدریس و تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کا حلقہ طالبانِ علم سے بھرنے لگا اور فقہ و اصول میں ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ اسی دور میں انہوں نے احکام القرآن اور الفصول فی الاصول جیسی عظیم کتابیں تصنیف کیں جنہوں نے ان کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

جدول 1: امام جصاص کی زندگی کے اہم مراحل

نمایاں پہلو	مدت / مقام	مرحلہ
قرآن، زبان و ادب اور ابتدائی فقہ کی تعلیم	305 ہجری، رے	ولادت و ابتدائی تعلیم
امام ابو الحسن کرخی سے فقہ و اصول کی تکمیل	بغداد	اعلیٰ تعلیم
احکام القرآن اور الفصول فی الاصول کی تالیف	بغداد	تدریس و تصنیف
تقریباً 65 برس کی عمر میں انتقال؛ علم و زہد کی زندگی کا اختتام	370 ہجری، بغداد	وفات

علمی مقام، مسلک اور منہج

امام جصاص حنفی فقہ کے ان ائمہ میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے فقہ کو محض فروع کے مجموعے کے بجائے دلائل و اصول کی بنیاد پر پیش کیا۔ ان کا علمی مقام اس بات سے ظاہر ہے کہ بعد کے حنفی اصولی، مثلاً سرخسی، بزدوی اور نسفی، ان کی آرا کو بنیاد بنا کر آگے بڑھتے ہیں اور ان کے اقوال کو وزن دیتے ہیں۔ وہ اپنے مسلک کے پابند تھے مگر تعصب سے پاک تھے؛ احکام القرآن میں وہ دیگر فقہاء کے اقوال پوری امانت سے نقل کرتے ہیں، ان کے دلائل ذکر کرتے ہیں اور پھر علمی انداز میں ترجیح قائم کرتے ہیں۔ ان کے منہج کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں: قرآن کی آیت کو بنیاد بنانا، اس کی تفسیر میں لغت و نحو سے مدد لینا، سنت و آثار کو جمع کرنا، علت و حکمت کی طرف توجہ دینا اور اصولِ فقہ کے قواعد کو تفسیر پر منطبق کر کے دکھانا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی احکام القرآن صرف تفسیر نہیں بلکہ فقہ و اصول کی عملی تربیت گاہ بھی ہے۔ بعض اہلِ علم نے ان کے کلامی رجحانات پر بھی گفتگو کی ہے، مگر مجموعی طور پر امت کے تذکرہ نگاروں نے ان کی ثقاہت، دیانت اور علمی عظمت کو تسلیم کیا ہے اور انہیں چوتھی صدی ہجری کے بڑے فقہاء میں شمار کیا ہے۔

اخلاق، زہد اور ذاتی زندگی

تذکروں میں امام جصاص کو علم کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ اور دنیوی جاہ و منصب سے بے رغبتی میں بھی ممتاز بتایا گیا ہے۔ روایت ہے کہ انہیں قضا کا منصب پیش کیا گیا مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے احتراز کیا اور تدریس و تصنیف کو ہی اپنا مشغلہ رکھا؛ یہ طرزِ عمل اس دور کے بہت سے ائمہ کے ہاں ملتا ہے جو اقتدار سے دوری کو دینی سلامتی کے لیے بہتر سمجھتے تھے۔ ان کی زندگی سادگی، قناعت اور طلبہ کی تربیت میں گزری۔ وہ اپنے شاگردوں کی علمی نشوونما پر خصوصی توجہ دیتے اور انہیں دلیل طلبی اور تحقیق کا مزاج سکھاتے۔ ان کے تلامذہ میں ایسے نام شامل ہیں جنہوں نے بعد میں حنفی فقہ کی تدریس و تالیف کو آگے بڑھایا۔ ان کی شخصیت کا یہ پہلو طلبہ کے لیے خاص سبق رکھتا ہے کہ اصل علمی عظمت منصب و شہرت سے نہیں بلکہ اخلاص، محنت اور نفع بخش علم چھوڑنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ وہ فقہی مسائل میں غور و فکر کے عادی تھے اور کسی مسئلے میں حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے اس کے تمام پہلو جانچتے تھے؛ یہی احتیاط ان کی تصانیف میں جگہ جگہ نظر آتی ہے۔

تصانیف اور علمی خدمات

امام جصاص کی تصانیف میں سب سے مشہور احکام القرآن ہے جو تین بڑی جلدوں میں سورتوں کی ترتیب سے آیاتِ احکام کی فقہی تفسیر پیش کرتی ہے اور حنفی نقطۂ نظر کی سب سے اہم قدیم تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ دوسری اہم کتاب الفصول فی الاصول ہے جو اصولِ فقہ میں حنفی مکتب کی اولین باقاعدہ تصانیف میں شمار ہوتی ہے اور جس میں انہوں نے دلائلِ شرعیہ، عام و خاص، امر و نہی اور دیگر اصولی مباحث کو منظم انداز میں پیش کیا۔ اس کے علاوہ مختصر الطحاوی کی شرح اور دیگر فقہی رسائل بھی ان سے منسوب ہیں اور ان کی بعض تصانیف کے مخطوطات یا حوالے بعد کی کتب میں ملتے ہیں۔ ان کی خدمات کا دائرہ تین میدانوں پر پھیلا ہوا ہے: فقہی تفسیر کو باقاعدہ صنف بنانا، حنفی اصولِ فقہ کی تدوین اور فقہی اختلافات کو دلائل کے ساتھ محفوظ کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے مفسرین، خواہ وہ حنفی ہوں یا دیگر مسالک سے ہوں، احکام القرآن جصاص سے استفادہ کرتے رہے ہیں اور قرطبی و دیگر بڑے مفسرین نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔ طالب علم کے لیے ان کی زندگی اس بات کی عملی مثال ہے کہ گہرے مطالعے، مضبوط اساتذہ اور مسلسل تصنیفی محنت سے ایک فرد پورے فن کی تاریخ پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

وفات اور علمی ورثہ

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کی وفات 370 ہجری میں بغداد میں ہوئی۔ ان کی عمر تقریباً پینسٹھ برس تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسی شہر میں تدریس و تصنیف کرتے گزارا جو اس دور میں اسلامی علوم کی عالمی دارالحکومت تھا۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی کتابیں حنفی مدارس کے نصاب و حوالے کا حصہ بنی رہیں اور آج بھی فقہی تفسیر اور اصولِ فقہ کے محققین ان سے رجوع کرتے ہیں۔ ان کا علمی ورثہ تین چیزوں میں نمایاں ہے: پہلا یہ کہ انہوں نے آیاتِ احکام کی تفسیر کو فقہی دلائل کے ساتھ جوڑا، دوسرا یہ کہ حنفی اصول کو مدون شکل دی اور تیسرا یہ کہ اختلافِ فقہاء کو علمی ادب کے ساتھ پیش کرنے کا اسلوب سکھایا۔ جدید دور میں جب فقہی تفاسیر کا تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے تو جصاص کی احکام القرآن کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل رہتی ہے اور ان کی آراء کے بغیر آیاتِ احکام کی تاریخ مکمل نہیں سمجھی جاتی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت اپنے عہد تک محدود نہیں رہی بلکہ ان کا فیض صدیوں تک پھیلا ہوا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ 305 ہجری میں رے میں پیدا ہوئے، بغداد میں امام ابوالحسن کرخی جیسے عظیم استاد سے علم حاصل کیا، وہیں تدریس و تصنیف میں عمر گزاری اور 370 ہجری میں وفات پائی۔ ان کی احکام القرآن حنفی فقہی تفسیر کی بنیادی کتاب اور الفصول فی الاصول حنفی اصولِ فقہ کی اولین مدون کاوش ہے۔ ان کی زندگی زہد، منصب سے بے رغبتی، طلبہ کی تربیت اور دلیل پر مبنی تحقیق کا نمونہ ہے۔ طلبہ کے لیے ان کے حالات سے تین اسباق ملتے ہیں: مضبوط اساتذہ کا انتخاب، اختلاف کے مطالعے میں وسعت و امانت اور علم کو تصنیف و تدریس کے ذریعے آگے پہنچانے کا جذبہ۔ انہی اوصاف نے انہیں فقہی تفاسیر کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رکھا ہے۔

سوال نمبر 3: احکام القرآن جصاص کی روشنی میں نمازکے اوقات سے متعلق مسائل واحکام (20 نمبر)

سوال نمبر 3: احکام القرآن جصاصؒ کی روشنی میں نماز کے اوقات سے متعلق مسائل واحکام قلمبند کریں۔ (20)

تعارف

نماز اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اور اس کی صحت کی بنیادی شرط اسے اس کے مقررہ وقت میں ادا کرنا ہے، جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے کہ نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے۔ نماز کے اوقات کی تفصیل کا اصل ماخذ سنتِ نبوی ہے، مگر قرآن مجید میں بھی متعدد آیات میں نماز کے اوقات کی طرف اشارے اور اجمالی احکام موجود ہیں جن سے فقہی مفسرین نے اوقات کی تحدید کے اصول اخذ کیے ہیں۔ امام جصاص نے احکام القرآن میں ان آیات کی تفسیر میں اوقاتِ نماز پر مفصل فقہی بحث کی ہے، دلائل جمع کیے ہیں اور فقہاء کے اختلافات کو اصولی بنیادوں پر پرکھا ہے۔ اس جواب میں پہلے اوقات سے متعلق قرآنی آیات کا جائزہ لیا جائے گا، پھر پانچوں نمازوں کے اوقات کا آغاز و اختتام جصاص کی بحث کی روشنی میں بیان ہوگا، اس کے بعد جمع بین الصلاتین، ممنوعہ اوقات اور سفر و عذر کے مسائل آئیں گے۔ یہ تمام بحث تعلیمی ہے؛ اپنے علاقے کے مستند اوقات اور عملی مسائل میں مقامی علماء اور مستند کیلنڈر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اوقاتِ نماز سے متعلق قرآنی آیات

امام جصاص اوقات کی بحث میں سب سے پہلے سورۂ ہود کی آیت نمبر 114 کو بنیاد بناتے ہیں جس میں دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے؛ فقہاء نے دن کے سروں سے فجر و عصر یا ظہر و عصر اور رات کے حصوں سے مغرب و عشاء مراد لینے پر گفتگو کی ہے۔ دوسری اہم آیت سورۂ اسراء کی آیت نمبر 78 ہے جس میں سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرنے اور فجر کی نماز کا خاص ذکر آیا ہے؛ زوال سے شروع ہونے والے وقفے میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء داخل سمجھے جاتے ہیں اور قرآن الفجر سے فجر کی نماز کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ تیسری آیت سورۂ روم کی آیات نمبر 17 و 18 ہیں جن میں شام، صبح، تیسرے پہر اور ظہر کے وقت تسبیح کا ذکر ہے اور مفسرین نے ان اوقات کو پانچوں نمازوں پر تقسیم کیا ہے۔ اسی طرح سورۂ ق کی آیات میں طلوع و غروب سے پہلے اور رات کے حصے میں تسبیح کا حکم بھی اسی باب میں ذکر ہوتا ہے۔ جصاص ان آیات کو یکجا رکھ کر نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن نے اوقات کا اجمالی خاکہ دے دیا ہے اور اس کی عملی تحدید و تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے ہوئی جو نماز کے اوقات سکھلانے والے واقعات، خصوصاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والے واقعے میں آتا ہے۔ یہی کتاب و سنت کا باہمی تعلق فقہی تفسیر کا اصل موضوع ہے۔

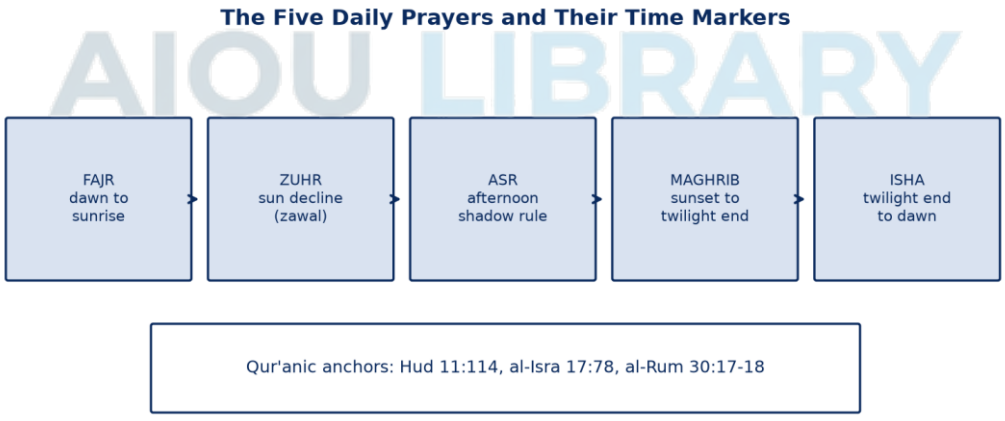

تصویر 1: پانچوں نمازوں کے اوقات کے بنیادی علامتی حدود جن کی تفصیل سنت سے ثابت ہے۔

فجر اور ظہر کے اوقات

فجر کا وقت صبحِ صادق کے طلوع سے شروع ہوتا ہے اور سورج طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ جصاص اس مقام پر فجر کاذب اور فجر صادق کے فرق کی بحث لاتے ہیں اور رات کے آخری حصے سے متعلق آیات وروایات کی روشنی میں واضح کرتے ہیں کہ معتبر وہ سفیدی ہے جو افق میں پھیلتی ہے، نہ کہ وہ وقتی روشنی جو اوپر اٹھ کر ختم ہو جاتی ہے۔ انہی اصولوں پر سحری کے اختتام اور روزے کے آغاز کا بھی مدار ہے، اسی لیے فقہاء اس بحث رمضان کے مسائل سے بھی جڑ جاتی ہے۔ ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے، یعنی جب سورج نصف النہار سے ڈھل جائے۔ زوال کی پہچان سایے کی حرکت سے ہوتی ہے: جب ہر چیز کا سایہ گھٹتے گھٹتے بڑھنے لگے تو زوال ہو چکا ہوتا ہے۔ ظہر کے آخری وقت میں فقہاء کا مشہور اختلاف ہے کہ یہ سایہ ایک مثل ہونے تک ہے یا دو مثل ہونے تک؛ جصاص اس باب میں احادیث و آثار کا موازنہ کرتے ہیں اور حنفی موقف کے دلائل تفصیل سے پیش کرتے ہیں جبکہ دیگر ائمہ کی آراء بھی نقل کرتے ہیں۔ طالب علم کے لیے اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اوقات کی تحدید میں اصل مدار مشاہداتی علامات ہیں جنہیں آج کل مستند حساب و تقویم کے ذریعے منٹوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، مگر اصل شرعی بنیاد یہی علامات ہیں۔

عصر، مغرب اور عشاء کے اوقات

عصر کا وقت ظہر کے وقت کے اختتام سے شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے تک رہتا ہے، البتہ سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد کا وقت کراہت کا وقت سمجھا جاتا ہے اور بلا عذر اتنی تاخیر پسندیدہ نہیں۔ امام جصاص عصر کے آغاز کے مسئلے میں مثل و مثلین کی مشہور بحث کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور عصر کی نماز کو صلاۃ الوسطیٰ قرار دینے والی تفسیر کے تناظر میں اس کی خاص فضیلت و تاکید بھی واضح کرتے ہیں۔ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور شفق یعنی سرخی یا سفیدی کے غائب ہونے تک رہتا ہے؛ شفق کی تفسیر میں سرخی و سفیدی کا اختلاف بھی جصاص کے ہاں مذکور ہے اور اسی اختلاف سے مغرب کے آخری وقت اور عشاء کے آغاز میں فقہی فرق پیدا ہوتا ہے۔ عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے شروع ہو کر آدھی رات یا صبحِ صادق تک رہنے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں، البتہ بلا عذر آدھی رات سے زیادہ تاخیر کو پسند نہیں کیا گیا۔ جصاص ان

تمام اوقات میں یہ اصول نمایاں کرتے ہیں کہ جن اوقات کی ابتدا و انتہا میں اختلاف ہے وہ اجتہادی ہے، لہٰذا اس میں باہمی وسعت رکھنی چاہیے اور عوام کو اپنے علاقے کی مستند جماعت و تقویم کی پابندی کرنی چاہیے تاکہ عبادت میں انتشار پیدا نہ ہو۔

جدول 1: پانچ نمازوں کے اوقات — آغاز و اختتام کا خلاصہ

نماز	وقت کا آغاز	وقت کا اختتام
فجر	صبحِ صادق کا طلوع	طلوعِ آفتاب
ظہر	زوالِ آفتاب	سایہ ایک یا دو مثل (اختلافی)
عصر	ظہر کے وقت کا اختتام	غروبِ آفتاب
مغرب	غروبِ آفتاب	شفق کا غائب ہونا
عشاء	شفق کا غائب ہونا	آدھی رات / صبحِ صادق (آراء مختلف)

دو نمازوں کو جمع کرنا اور قضا کے مسائل

اوقات کی بحث کا ایک اہم پہلو دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا ہے۔ سفر، بیماری اور شدید ضرورت کے مواقع پر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کرنے کی روایات پر جصاص تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اس باب میں اصل یہ ہے کہ ہر نماز کا وقت متعین ہے اور اصل حکم ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا ہے، البتہ جہاں نص یا معتبر روایت سے جمع ثابت ہو وہاں اسی حد تک اس پر عمل کیا جائے۔ حج میں عرفات و مزدلفہ کی جمع پر تواتر کا عمل متفقہ طور پر جاری ہے اور اس کی بنیاد سنتِ عملی ہے۔ قضا نماز کے مسئلے میں بھی جصاص یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ جس نماز کا وقت نکل جائے اس کی قضا لازم آتی ہے، خواہ نیند یا بھول کی وجہ سے رہ گئی ہو یا جان بوجھ کر چھوٹی ہو، البتہ جان بوجھ کر وقت گزارنا سخت گناہ ہے اور توبہ کے ساتھ قضا ضروری ہے۔ نیند و بھول کے بارے میں حدیث میں یہ رہنمائی بھی موجود ہے کہ جسے نماز یاد نہ رہے یا وہ سو یا رہ جائے تو اس کا

کفارہ یہی ہے کہ جب یاد آئے پڑھ لے۔ اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات کی پابندی میں شریعت نے ایک طرف وقت کی سختی سے حفاظت کی تعلیم دی ہے اور دوسری طرف انسانی عذر کو بھی ملحوظ رکھا ہے؛ یہ توازن ہی فقہِ اسلامی کی روح ہے جسے جصاص بخوبی اجاگر کرتے ہیں۔

ممنوعہ اوقات اور مستحب تاخیر و تقدیم

جصاص اوقات کی بحث میں ممنوعہ اوقات کا ذکر بھی کرتے ہیں جن میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے: طلوعِ آفتاب کے وقت، عین زوال کے وقت اور غروبِ آفتاب کے وقت۔ ان اوقات کی ممانعت کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ سورج کی پرستش کرنے والوں کے عبادت کے اوقات سے مشابہت کا وقت ہے، اس لیے اس مشابہت سے بچنے کے لیے ان لمحات میں نماز مؤخر کی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض نمازوں میں تقدیم و تاخیر کی فضیلت بھی زیرِ بحث آتی ہے: گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈے وقت کی طرف لے جانا، مغرب میں جلدی کرنا، عشاء میں مناسب تاخیر اور فجر کو اجالے میں پڑھنا جیسے مسائل روایات کی بنیاد پر بیان ہوتے ہیں۔ امام جصاص ان جزئیات میں سنت کے مختلف بیانات کو جمع کر کے یہ دکھاتے ہیں کہ اوقات کی پابندی کا مطلب محض وقتی حدود کی رعایت نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کی پیروی بھی ہے۔ جدید دور میں جب اوقات گھڑیوں اور ایپس سے معلوم ہوتے ہیں تو یہ نکتہ اور بھی اہم ہو جاتا ہے کہ طالب علم ان حسابات کے پیچھے کارفرما شرعی علامات سے بھی واقف ہو، تاکہ اس کی عبادت محض مکانیکی عمل نہ رہے بلکہ فہم کے ساتھ ہو۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام جصاص نے احکام القرآن میں نماز کے اوقات کو ہود، اسراء، روم و دیگر آیات کی بنیاد پر بیان کیا ہے اور پانچوں نمازوں کے آغاز و اختتام، فجر صادق، زوال، مثل و مثلین، شفق اور ممنوعہ اوقات جیسے مسائل پر فقہی دلائل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ ان کی بحث سے تین اصول حاصل ہوتے ہیں: قرآن اوقات کا اجمالی خاکہ دیتا ہے اور سنت اس کی تحدید کرتی ہے؛ اوقات کی جزئیات میں اختلاف اجتہادی ہے جس میں وسعت برتنی چاہیے؛ اور اصل مقصود ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا ہے جس میں عذر کی

رعایت بھی شریعت نے خود رکھی ہے۔ طلبہ کے لیے عملی سبق یہ ہے کہ نماز کے اوقات کی پابندی کو معمولی بات نہ سمجھیں، کیونکہ یہی پابندی نماز کی روحانی تاثیر اور زندگی کے نظم وضبط دونوں کی بنیاد ہے۔

سوال نمبر 4: امام ابن العربی کے حالاتِ زندگی (20 نمبر)

سوال نمبر 4: امام ابن العربیؒ کے حالاتِ زندگی تحریر کریں۔ (20)

تعارف

فقہی تفاسیر کے مصنفین میں امام ابن العربی رحمہ اللہ کو دو حیثیتوں سے غیر معمولی شہرت حاصل ہے: وہ مالکی فقہ کے بڑے امام بھی ہیں اور احکام القرآن کے مصنف کی حیثیت سے ان کی تفسیر مالکی نقطۂ نظر سے آیاتِ احکام کی سب سے اہم کتاب بھی مانی جاتی ہے۔ ان کی زندگی علم کی طلب میں اندلس سے مشرقِ اسلامی تک کے طویل اسفار، بڑے اساتذہ سے استفادے، قضا و تدریس کی ذمہ داریوں اور کثیر تصانیف پر مشتمل ہے۔ اس جواب میں ان کے نام و خاندان، ولادت و تعلیم، علمی اسفار، اساتذہ و تلامذہ، مناصب، تصانیف، علمی منہج اور وفات کا منظم بیان پیش کیا جائے گا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ابن العربی سے مراد قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ مالکی ہیں، صوفی بزرگ محی الدین ابن عربی سے ان کا التباس عام ہوتا ہے مگر یہ دو الگ شخصیات ہیں؛ اس جواب کا موضوع قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی ہی ہیں جن کی احکام القرآن اس کورس میں زیرِ مطالعہ ہے۔ سوانحی معلومات طبقات و تاریخ کی معروف کتب کے مطابق محتاط انداز میں پیش کی گئی ہیں۔

نام، خاندان اور ولادت

امام ابن العربی کا پورا نام محمد بن عبد اللہ بن محمد معافری اشبیلی ہے، کنیت ابو بکر ہے اور وہ قاضی ابن العربی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے آباء قبیلۂ معافر سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا خاندان اندلس کے مشہور شہر اشبیلیہ (سیویل) میں آباد تھا۔ والد عبد اللہ بن محمد علمی و سرکاری حلقوں سے وابستہ شخصیت تھے، جس کی وجہ سے ابن العربی کو بچپن سے

علمی ماحول میسر آیا۔ ان کی پیدائش 468 ہجری میں اشبیلیہ میں ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب اندلس میں علمی و ادبی سرگرمیاں عروج پر تھیں، مگر سیاسی طور پر طوائف الملوکی کے باعث انتشار بھی موجود تھا۔ ابن العربی نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر ہی میں حاصل کی: قرآن مجید، عربی ادب، شعر، نحو و لغت اور مالکی فقہ کی بنیادی کتابیں انہوں نے یہیں پڑھیں۔ کم عمری میں ان کی ذہانت اور حافظے کی قوت مشہور ہو گئی تھی اور وہ اپنے والد کے ہمراہ علمی مجالس میں شریک ہونے لگے تھے۔ خاندانی ماحول، اساتذہ کی توجہ اور ذاتی لگن نے انہیں مزید علم کی طلب پر آمادہ کیا اور یہی شوق جلد انہیں مشرق کے طویل علمی سفر پر لے گیا جو ان کی زندگی کا سب سے اہم باب ہے۔

علمی اسفار: اندلس سے بغداد و شام و حجاز تک

ابن العربی نے اپنے والد کے ہمراہ اندلس سے مشرق کا سفر اختیار کیا جس کا ایک ظاہری سبب سیاسی حالات اور سفارتی ذمہ داری بھی تھا، مگر درحقیقت یہ سفر ان کے لیے علم کا عظیم خزانہ بن گیا۔ راستے میں وہ شمالی افریقہ کے شہروں سے ہوتے ہوئے مصر پہنچے، پھر شام، بیت المقدس اور بغداد گئے اور حج کی سعادت بھی حاصل کی۔ ہر شہر میں انہوں نے وہاں کے بڑے علماء سے حدیث، فقہ، اصول و تفسیر کی تعلیم لی، ان سے اجازے حاصل کیے اور علمی مناظروں و مباحثوں میں حصہ لیا۔ بغداد اس زمانے میں سلجوقی عہد کا علمی مرکز تھا اور وہاں ان کی ملاقات امام غزالی رحمہ اللہ سے ہوئی جن سے انہوں نے خاص استفادہ کیا اور جن کے علم و فکر کا ان پر گہرا اثر پڑا؛ ان کے علاوہ شام و مصر کے بڑے محدثین و فقہاء سے بھی انہوں نے روایت و درایت حاصل کی۔ ان اسفار کی تفصیل انہوں نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ بیان کی ہے جس سے ان کی معلومات میں حیرت انگیز وسعت پیدا ہوئی: وہ صرف کتابی عالم نہیں رہے بلکہ مختلف خطوں کے فقہی رجحانات، علمی روایات اور سماجی احوال کو آنکھوں سے دیکھ کر آئے۔ یہی سفر نامچائی تجربہ ان کی احکام القرآن میں ظاہر ہوتا ہے جہاں وہ مختلف مسالک کے دلائل کو ان کے اپنے ماحول سمیت سمجھ کر نقل کرتے ہیں۔

اساتذہ، تلامذہ اور علمی مجلس

ابن العربی کے اساتذہ کی فہرست طویل ہے جن میں دو جہانوں کے نام نمایاں ہیں: اندلس میں ابو عبد اللہ بن منظور اور دیگر مقامی شیوخ سے انہوں نے فقہ و ادب پڑھا اور مشرق میں امام غزالی، ابو بکر فہری طرطوشی اور شام و بغداد کے معروف محدثین سے استفادہ کیا۔ استفادے کا انداز یہ تھا کہ وہ ہر استاد سے اس فن کی مہارت لیتے جس میں وہ

ممتاز ہوتا، چنانچہ حدیث کے لیے محدثین، اصول کے لیے اصولیوں اور ادب کے لیے ادباء کی صحبت اختیار کی۔ وطن واپسی کے بعد اشبیلیہ میں ان کی مجلسِ درس مغرب و اندلس کا مرجع بن گئی۔ ان کے تلامذہ میں بعد کے کئی نامور علماء شامل ہوئے جنہوں نے اندلس میں فقہ و حدیث کی اشاعت کا کام آگے بڑھایا؛ ان کے دروس کی شہرت سن کر طلبہ دور دور سے آتے تھے۔ وہ درس میں مسئلے کی تمام صورتیں بیان کرتے، دلائل کا موازنہ کرتے اور طلبہ کو سوالات کی ترغیب دیتے، اس لیے ان کی مجلس محض تقریر نہیں بلکہ تحقیق کا ماحول ہوتی تھی۔ ان کے ہم عصر علماء نے بھی ان کے علم کی وسعت و گہرائی کا اعتراف کیا اور انہیں اندلس کا امام اور محدث و فقیہ کہہ کر یاد کیا۔ ان کی یہ علمی مرکزیت اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ مالکی فقہ کے کئی مسائل میں بعد کے علماء ان کی تحقیق کو بنیاد بنا کر دلیل قرار دیتے ہیں۔

جدول 1: امام ابن العربی کی زندگی کے نمایاں مراحل

نمایاں پہلو	مقام / دور	مرحلہ
علمی خاندان؛ قرآن، ادب و مالکی فقہ کی بنیادی تعلیم	468 ہجری، اشبیلیہ (اندلس)	ولادت و ابتدائی تعلیم
بڑے شیوخ سے استفادہ؛ امام غزالی سے ملاقات و اکتساب	مصر، شام، بیت المقدس، بغداد، حجاز	علمی اسفار
مرجعِ طلبہ؛ قاضی کے منصب پر فائز رہے	اشبیلیہ، واپسی کے بعد	تدریس و قضا
احکام القرآن سمیت کثیر تصانیف یادگار چھوڑیں	وفات 543 ہجری، فاس	تصنیف و وفات

قضا کا منصب، حالات کی تبدیلی اور آخری ایام

وطن واپسی کے بعد ابن العربی کو ان کی علمی شہرت کی بنیاد پر اشبیلیہ کے قاضی کے منصب پر فائز کیا گیا۔ قضا کے دور میں وہ انصاف، دیانت اور بے خوفی کے لیے مشہور رہے؛ انہوں نے شرعی احکام کے نفاذ اور کمزوروں کے حقوق کی حفاظت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مگر منصب کی زندگی ہمیشہ ہموار نہیں رہتی؛ سیاسی حالات بدلے، مرابطین کی حکومت

کے زوال اور موحدین کے عروج کے دور میں انہیں دشواریوں کا بھی سامنا کرنا پڑا اور ایک مرحلے پر وہ منصب سے الگ ہو کر علمی مشاغل میں زیادہ مصروف ہو گئے۔ زندگی کے آخری دور میں وہ فاس میں مقیم ہوئے جہاں 543 ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی سوانح کا یہ پہلو طلبہ کے لیے عبرت و سبق رکھتا ہے کہ علمی انسان حالات کی تبدیلیوں میں بھی اپنے اصل کام یعنی علم و دین کی خدمت سے غافل نہیں ہوتا۔ منصب نے ان کی شہرت میں اضافہ کیا مگر ان کی اصل پہچان ان کی کتابیں بنیں جن سے قیامت تک کے قارئین مستفید ہوتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مخالفین نے بھی ان کے علم کا اعتراف کیا اور موافقین نے انہیں اندلس کے علمی افتخار میں شمار کیا۔

تصانیف اور احکام القرآن کا مقام

ابن العربی کثیر التصانیف مصنف تھے۔ ان کی سب سے مشہور کتاب احکام القرآن ہے جو سورتوں کی ترتیب سے آیاتِ احکام کی مالکی فقہی تفسیر ہے اور اس میں انہوں نے آیات سے سینکڑوں مسائل اخذ کیے ہیں۔ اس کے علاوہ عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی حدیث کی شرح میں ان کی اہم کتاب ہے، العواصم من القواصم میں انہوں نے تاریخی و اعتقادی مباحث کا دفاعی و تحقیقی جائزہ لیا، قانون التأویل اور احکام سے متعلق دیگر رسائل بھی ان سے منسوب ہیں۔ ان کی بعض کتابیں زمانے کی دست برد سے مکمل محفوظ نہ رہ سکیں مگر جتنا علمی سرمایہ محفوظ ہے وہی ان کی عظمت کے لیے کافی ہے۔ احکام القرآن کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں تفسیر، فقہ، اصول، لغت اور ادب سب جمع ہیں؛ وہ آیت کی لغوی تحقیق کرتے، اسباب و مکی و مدنی پہلو دیکھتے اور پھر فقہی مسائل نکال کر مالکی موقف کی دلیل پیش کرتے۔ ساتھ ہی ان کا اسلوب پرجوش و خطیبانہ بھی ہے جس سے قاری کو علمی لطف حاصل ہوتا ہے۔ بعض مقامات پر وہ اجتہادی جرات بھی دکھاتے ہیں اور اپنے مسلک کے اندر رہتے ہوئے دلیل کی بنیاد پر رجحان ظاہر کرتے ہیں۔ یہی اوصاف ان کتاب کو فقہی تفاسیر کی صفِ اول میں رکھتے ہیں۔

علمی منہج اور شخصیت کا مجموعی جائزہ

ابن العربی کے علمی منہج کی بنیادی خصوصیات یہ ہیں: کتاب و سنت کو اصل قرار دینا، مالکی اصولوں خصوصاً مصالح و عملِ اہلِ مدینہ کی رعایت، لغت و ادب سے بھرپور استفادہ اور مسائل میں تقابلی نظر۔ وہ فقہی اختلاف کو وسعتِ نظر سے دیکھتے تھے مگر اپنے مسلک کے دلائل میں پورا اعتماد رکھتے تھے۔ ان کی شخصیت میں عالم، قاضی، ادیب اور مسافرِ علم

چاروں رنگ نمایاں ہیں۔ ان کی زندگی کا سبق یہ ہے کہ علم صرف کتابوں سے نہیں، سفر، اساتذہ کی صحبت اور مختلف علمی ماحول کے مشاہدے سے پختہ ہوتا ہے۔ انہوں نے ابن حزم کے اندلس میں رہتے ہوئے بھی اہلِ سنت کے مالکی مکتب کی نمائندگی مضبوطی سے کی اور فکری چیلنجز کا علمی جواب دیا۔ مؤرخین نے انہیں حافظ، امام اور علامہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے اور ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ علم کا سمندر تھے۔ ان کے حالات کا مطالعہ طالب علم کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ سوانح پڑھنے کا اصل فائدہ محض تاریخ جاننا نہیں بلکہ ان عادات و اوصاف کو اپنانا ہے جنہوں نے انہیں عظیم بنایا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی 468 ہجری میں اشبیلیہ میں پیدا ہوئے، اندلس و مشرق کے طویل علمی اسفار میں بڑے اساتذہ سے فیض پایا، وطن واپس آ کر تدریس و قضا کی ذمہ داریاں سنبھالیں، احکام القرآن سمیت متعدد اہم کتابیں تصنیف کیں اور 543 ہجری میں فاس میں وفات پائی۔ ان کی زندگی علمی جستجو، سفر کی ہمت، مسلکی وابستگی کے ساتھ علمی وسعت اور تصنیفی محنت کا حسین نمونہ ہے۔ فقہی تفسیر کے میدان میں ان کی کتاب مالکی مکتب کی نمائندہ آواز ہے اور اس کورس میں ان کے مطالعے کا مقصد بھی یہی ہے کہ طالب علم مختلف فقہی تفسیری روایات سے واقف ہو کر تقابلی فہم حاصل کرے۔

سوال نمبر 5: تفسیر مدارک التنزیل کی روشنی میں رضاعت اور ممنوعہ رشتوں سے نکاح نہ کرنے کے احکام (20 نمبر)

سوال نمبر 5: تفسیر مدارک التنزیل کی روشنی میں رضاعت اور ممنوعہ رشتوں سے نکاح نہ کرنے کے احکام پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

مدارک التنزیل و حقائق التأویل امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (وفات 710 ہجری) کی مشہور تفسیر ہے جو حنفی مکتب کی نمائندہ، مختصر مگر جامع تفسیر سمجھی جاتی ہے اور مدارس میں بکثرت پڑھائی جاتی ہے۔ اس سوال میں سورۂ نساء کی آیت نمبر 23 کی تفسیر کی روشنی میں حرمتِ نکاح کے اسباب، خاص طور پر رضاعت یعنی دودھ کے رشتے

اور دیگر ممنوعہ رشتوں کے احکام کا جائزہ لیا جائے گا۔ آیت میں ان عورتوں کی فہرست بیان ہوئی ہے جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اور رضاعت کو نسب کے مشابہ قرار دے کر اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ ذیل میں پہلے آیت کا مفہوم و پس منظر، پھر رضاعت کی تعریف و شرائط، اس سے ثابت ہونے والی حرمت کا دائرہ، اس کے بعد نسبی و سسرالی ممنوعہ رشتوں کی تفصیل اور آخر میں اس موضوع کی حکمتوں پر گفتگو کی جائے گی۔ یہ بیان خالص تعلیمی ہے؛ کسی معین خاندان کے نکاح کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ مستند علماء و شرعی اداروں کا کام ہے، اس لیے عملی صورت میں انہی سے رہنمائی لینی چاہیے۔

آیتِ تحریم کا مفہوم اور مدارک کا اندازِ تفسیر

سورۂ نساء کی آیت نمبر 23 کا مفہوم یہ ہے کہ تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو، دودھ شریک بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں، بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں بشرطیکہ ان کی ماؤں سے ہم بستری ہو چکی ہو، حلالہ یعنی حقیقی بیٹوں کی بیویاں، اور دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام کر دیا گیا۔ امام نسفی مدارک میں اس آیت کی تفسیر میں الفاظ کی لغوی تحقیق کے ساتھ فقہی مسائل کو بہت اختصار و جامعیت سے بیان کرتے ہیں۔ وہ حرمت کی تین بڑی بنیادوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں: نسب یعنی خونی رشتہ، مصاہرت یعنی شادی سے پیدا ہونے والا رشتہ اور رضاعت یعنی دودھ کا رشتہ۔ ان کی تفسیر کا اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے مفہوم واضح کرتے ہیں، پھر حنفی فقہ کی روشنی میں جزئیات طے کرتے ہیں اور جہاں کلامی یا نحوی نکتہ درکار ہو اسے بھی مختصر بیان کر دیتے ہیں۔ رضاعت کے مقام پر وہ حدیث کی اس مشہور بنیاد کا حوالہ دیتے ہیں کہ رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں؛ یہی ایک اصول اس پورے باب کا خلاصہ ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

رضاعت کی تعریف، مدت اور شرائط

رضاعت سے مراد بچے کا مدتِ رضاعت کے اندر کسی عورت کا دودھ پینا ہے جس سے اس عورت اور بچے کے درمیان ماں بیٹے جیسا حرمت والا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ مدارک کی حنفی بنیاد پر اس باب کے اہم مسائل یہ ہیں: اول مدتِ رضاعت؛ حنفی فقہاء کے ہاں اس مدت کی تعیین میں اقوال ہیں اور مشہور بحث دو برس اور ڈھائی برس کے درمیان ہے

جس میں امام نسفی اپنے مسلک کے اصولوں کے مطابق قول نقل کرتے ہیں اور احتیاط کا پہلو نمایاں کرتے ہیں، جبکہ دیگر ائمہ کے ہاں دو برس کی مدت اور پانچ مرتبہ دودھ پینے کی شرط جیسے اقوال بھی مشہور ہیں۔ دوم دودھ کی مقدار؛ حنفی موقف کے مطابق مدت کے اندر قلیل مقدار سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، جبکہ بعض ائمہ کے نزدیک پانچ رضعات کی تعداد شرط ہے؛ یہ اختلاف حدیثوں کے مفاہیم کے اختلاف پر مبنی ہے۔ سوم دودھ کا بچے کے پیٹ تک پہنچنا ضروری ہے، خواہ براہِ راست ہو یا کسی ذریعے سے، کیونکہ حرمت کی علت بدن کی پرورش اور گوشت و ہڈی کا اس دودھ سے بننا مانا ہے۔ چہارم مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کو بھی دودھ کا باپ قرار دیا جاتا ہے کیونکہ دودھ اسی کے سبب سے پیدا ہوتا ہے؛ اس اصول کو لبن الفحل کہا جاتا ہے۔ یہ شرائط واضح کرتی ہیں کہ رضاعت کا مسئلہ محض جذباتی نسبت نہیں بلکہ باقاعدہ شرعی قواعد کے تحت طے ہوتا ہے جن کی رعایت خاندانی احکام میں بہت ضروری ہے۔

رضاعت سے ثابت ہونے والی حرمت کا دائرہ

جب رضاعت شرائط کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس کے اثرات وسیع ہوتے ہیں۔ دودھ پلانے والی عورت بچے کی رضاعی ماں بن جاتی ہے، اس کا شوہر رضاعی باپ، اس عورت کی تمام اولاد بچے کے رضاعی بھائی بہن بن جاتے ہیں، خواہ وہ اسی زمانے میں دودھ پی چکے ہوں یا پہلے بعد میں پلائے گئے ہوں، اور اسی طرح رضاعی پھوپھی و خالہ وغیرہ کے رشتے بھی قائم ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً ان تمام رشتوں میں نکاح حرام ہو جاتا ہے اور پردے و خلوت کے احکام میں بھی نسبی محرموں جیسی رعایت پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رضاعت سے صرف حرمت و محرمیت ثابت ہوتی ہے، میراث، نفقہ اور ولایت جیسے دیگر نسبی احکام ثابت نہیں ہوتے؛ یہ فرق فقہ کا مسلمہ اصول ہے جسے امام نسفی کی تفسیر کے فہم سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ رضاعت کے ثبوت کے لیے بھی ضابطہ مقرر ہے: اس کا اقرار یا معتبر گواہی درکار ہوتی ہے اور محض شک و شبہے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اصل اباحت ہے اور حرمت یقینی دلیل سے ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے خاندانوں میں بچپن کے دودھ پلانے کے واقعات کو یاد رکھنا اور شادی سے پہلے تحقیق کر لینا علماء کی مستقل ہدایت رہی ہے، اور مشتبہ صورت پیدا ہو جائے تو فیصلہ خود کرنے کے بجائے مستند دارالافتاء سے رجوع کرنا چاہیے۔

جدول 1: حرمتِ نکاح کی تین بنیادیں (النساء 4:23)

نوعیت	مثالیں	بنیاد
دائمی حرمت	ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی	نسب
دائمی حرمت؛ میراث ثابت نہیں ہوتی	رضاعی ماں، رضاعی بہن اور ان کے متعلقہ رشتے	رضاعت
دائمی حرمت (بعض صورتیں شرائط کے ساتھ)	بیوی کی ماں، ربیبہ (شرط کے ساتھ)، بیٹے کی بیوی	مصاہرت
سبب ختم ہونے پر حرمت ختم ہو جاتی ہے	دو بہنوں کا جمع کرنا، پانچویں بیوی وغیرہ	عارضی سبب

نسبی اور سسرالی ممنوعہ رشتے

آیت میں رضاعت کے علاوہ نسبی محرمات کی فہرست بھی دی گئی ہے جس میں سات رشتے گنے گئے ہیں: مائیں جن میں دادی نانی بھی اوپر تک شامل ہیں، بیٹیاں جن میں پوتی و نواسی بھی نیچے تک داخل ہیں، بہنیں خواہ سگھی ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں؛ ان سب سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ مصاہرت یعنی سسرالی رشتوں میں چار صورتیں آتی ہیں: بیوی کی ماں سے نکاح کا عقد ہوتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، بیوی کی سابقہ شوہر سے بیٹی یعنی ربیبہ کی حرمت اس شرط سے مشروط ہے کہ اس کی ماں سے ہم بستری ہو چکی ہو، حقیقی بیٹے کی بیوی کی حرمت عقد سے ثابت ہوتی ہے اور باپ کی بیوی بھی اسی حکم میں داخل ہے جس کا ذکر اس سے اگلی آیت کے سیاق میں آتا ہے۔ مدارک میں ان صورتوں کی شرائط کو خاص توجہ سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہیں سے عملی غلطیوں کا امکان ہوتا ہے۔ دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت عارضی حرمت ہے؛ ایک کے وفات یا طلاق و عدت کے بعد دوسری سے نکاح جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح خالہ و بھانجی یا پھوپھی و بھتیجی کو جمع کرنا بھی سنت کی روایات کی بنیاد پر ممنوع ہے۔ ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے خاندانی نظام کو رشتوں کے تقدس اور باہمی احترام کے تحفظ کے لیے کتنی باریکی سے منظم کیا ہے۔

حرمتِ رضاعت و نکاح کی حکمتیں اور عصری احتیاط

ان احکام کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ اول یہ کہ دودھ پلانے سے بچے کے جسم کی ساخت اسی عورت کے دودھ سے بنتی ہے، اس لیے فطرت و شریعت دونوں اس نسبت کو ماں جیسی عزت دیتی ہیں۔ دوم یہ کہ ممنوع رشتوں کی واضح فہرست خاندان کے اندر شہوانی کشمکش کا دروازہ بند کر کے گھر کو پاکیزہ و پر اعتماد ماحول فراہم کرتی ہے۔ سوم یہ کہ محرمیت کے قیام سے دودھ پلانے والی خواتین اور بچوں کے درمیان قانونی اجنبیت ختم ہو کر خدمت و دیکھ بھال آسان ہو جاتی ہے جو بچے کی پرورش کے نظام کو مضبوط کرتی ہے۔ عصری دور میں بعض نئی صورتیں بھی پیش آتی ہیں، مثلاً دودھ کے بینک یا زرائع سے دودھ پلانے کے مسائل، جن میں رضاعت کے احکام کا اطلاق اہلِ علم تحقیق سے طے کرتے ہیں؛ طالب علم کو ایسے جدید مسائل میں خود رائے قائم کرنے کے بجائے تحقیقی اداروں اور مستند علماء کے فتاویٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مدارک جیسی مختصر تفسیر کا مطالعہ اصول تو فراہم کرتا ہے مگر اطلاق ہمیشہ اہلِ علم کی نگرانی میں ہونا چاہیے کیونکہ نکاح و حرمت کے معاملات میں غلطی کے اثرات پورے خاندان پر پڑتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر مدارک التنزیل کی روشنی میں سورۂ نساء کی آیت نمبر 23 حرمتِ نکاح کے تین بڑے اسباب نسب، رضاعت اور مصاہرت بیان کرتی ہے اور رضاعت کو نسب کے مشابہ قرار دے کر یہ اصول دیتی ہے کہ جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہی رضاعت سے بھی حرام ہیں۔ رضاعت کی مدت، مقدار اور ثبوت کے مسائل میں فقہاء کے اجتہادی اختلافات موجود ہیں جنہیں امام نسفی نے حنفی اصولوں کی روشنی میں مختصر و جامع انداز میں پیش کیا ہے، جبکہ دائمی و عارضی حرمت کا فرق بھی اسی آیت سے واضح ہوتا ہے۔ طلبہ کے لیے اس نوٹ کا پیغام یہ ہے کہ ان احکام کو محض فقہی فہرست نہ سمجھیں بلکہ خاندانی نظام کے تحفظ کی الٰہی حکمت کے طور پر دیکھیں اور عملی مشتبہ صورتوں میں ہمیشہ مستند علماء سے رہنمائی لیں۔